پیکرِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ایک غیر فانی نعتیہ نظم

از

غریقِ بحرِ محبت اخویم شیر محمد صاحب ترمذی، ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ تعلیم پنجاب

تمہید چند ماہ ہوئے محترمی و مکرمی ترمذی صاحب نے اپنی نظم کا ایک نسخہ ہدیۃً مجھے بھیجا تھا اسے پڑھ کر بے اختیار دل نے کہا کہ پاکستان اور ہندوستان کے عاشقانِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اس ایمان افروز عشق انگیز کیف آفریں دل نواز جان فزا نظم سے محروم رکھنا اپنے مسلک کے خلاف ہے اس لئے اسے تین قسطوں میں ہدیۂ ناظرین کیا جائے گا (انشاءاللہ)

ترمذی صاحب نے نظم سے پہلے پیش لفظ لکھا اور نظم کے بعد عنوان "تفہیمات" کے تحت بعض ایسے علمی نکات درج کئے ہیں جن کو ذہن نشین کر لینے سے ایک صاحب دل اس نظم کے رموز و اسرار سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ اس لئے اولاً "پیش لفظ" درج کرونگا ثانیاً "تفہیمات" کو زینت اوراق بناؤں گا تاکہ قاری کے ذہن میں حقائق مندرجہ نظم سے مستفید ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

آخر میں اس شرابِ چہار آتشہ کو دو جاموں میں بھر کر عاشقانِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کی روحانی ضیافت کا سامان مہیا کروں گا کیا عجب کہ اس نظم کی اشاعت کی بدولت سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ کرم مجھ سیہ کار کی طرف بھی مبذول ہو جائے یعنی بارگاہِ عالیہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہو جائے۔

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را (مدیر)

عرضِ حال

میں نہ معروف معنوں میں شاعر ہوں اور نہ مجھے فنِ شعر گوئی سے تعلق رہا ہے البتہ زندگی میں چند ایسے لمحات ضرور آئے ہیں کہ کسی غیر معمولی واقعہ نے میرے دل میں جذبات کا تلاطم پیدا کیا اور میں نے ان جذبات کو اپنی محدود استطاعت کے مطابق نظم کی شکل دے دی۔ اسی طرح یہ نعت بھی میرے دل کی ایک خاص کیفیت کا نتیجہ ہے۔ یکم جنوری ۱۹۴۷ء کی صبح کو کسی کی نگاہِ کرم سے میرے قلب کی گہرائیوں میں حقیقت محمدیہ کے عرفان کی ایک لہر اٹھی جو کم و بیش پلنے ہی زور سے نظم کے سانچے میں ڈھل گئی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دسمبر ۱۹۴۶ء کے آخری ہفتہ میں میں نے اپنے پیر و مرشد کے باطنی اشارہ سے اپنے دادا پیشوا حضرت خواجہ حبیب اللہ صاحبؒ کی مدح لکھنے کا قصد کیا۔ اور دو تین دن اسی نیاز گذاری میں مصروف رہا۔ دادا پیشوا کی نگاہِ التفات کا اثر سمجھئے یا محض حسنِ اتفاق کہئے کہ اس مدح کے ختم ہوتے ہی میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں سرورِ دو عالم کی خدمت میں نذرِ عقیدت پیش کروں۔ یہ خیال

لمحہ بہ لمحہ زور پکڑتا گیا۔ لیکن ساتھ ہی مجھے اپنی علمی بے بضاعتی کا احساس تھا۔ اس لئے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ حضورؐ کی تعریف میں کیا عرض کروں جو الفاظ اور معانی کے اعتبار سے شایانِ شان ہو۔ سُنے سُنائے الفاظ منظوم کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ تمنّا تھی کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے آنحضرتؐ کی شان سے کچھ آگاہی بخشے۔ تو میں صحیح تفہیم کی بناء پر نعت پیش کرنے کی جرأت کروں،

دو دن اسی فکر میں گذر گئے، تیسرے دن یعنی یکم جنوری ۱۹۸۲ء کی صبح کو نمازِ فجر کے بعد میں اسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا کہ آنِ واحد میں صوفیائے کرام کے اس قول کی حقیقت عقل کے پردے پر طلوع ہوئی کہ احمدؐ اور احد میں صرف ایک میم کا پردہ ہے

اس سے پیشتر بزرگوں کی زبان سے یہ جملہ کئی دفعہ سُن چکا تھا۔ لیکن اس کا مطلب اس سے زیادہ کبھی کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا کہ احمدؐ کے لفظ سے میم کا حرف علیحدہ کر دیں تو احد رہ جاتا ہے۔ اس دن پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے القائی طور پر یہ بات سمجھائی کہ روزِ اوّل نورِ محمدؐ کی تخلیق میں وہ کیا راز تھا۔ جسے میم کا پردہ کہتے ہیں، یعنی خالق نور اور مخلوق نور کی ہیئت کذائی میں کیا فرق تھا۔ پھر نورِ محمدؐ سے تمام کائنات کیوں کر پیدا ہوئی اور کس طرح وہی میم کا پردہ اب تک کائنات کے ذرّے ذرّے میں کارفرما ہے،

اس تفہیم کے ساتھ طبیعت میں کچھ انبساط پیدا ہوا میری جان عالمِ تصور میں حضورؐ کے قدموں پر نثار ہوئی۔ دل کی رقّت نے خشک آنکھوں کو آنسو بخشے اور نعت کے میدان میں زبان کی پابندی کی چار دیواری [illegible] دو روز طبیعت پہ ایک خاص کیفیت طاری رہی اور اسی کیفیت کے زیرِ اثر اللہ تعالیٰ نے نعت لکھنے کی توفیق بخشی،

معذرت: مجھے اس بات کا احساس ہے کہ ایک ہی ردیف اور ایک ہی قسم کے قافیوں میں اتنی طویل نظم کا مطالعہ شاید بعض اصحاب کے لئے بارِ خاطر ہو، میں ایسے تمام حضرات سے اس بناء پر معذرت خواہ ہوں کہ

"نغمہ سنج کوہ و دشتم از گلستاں نیستم"

مجھے اس امر کا بھی احساس ہے کہ اگر ہر بند میں قافیہ اور ردیف کو بدل دیا جاتا تو نظم میں تنوع اور شگفتگی کا زیادہ امکان تھا۔ لیکن یہ میرے بس کی بات نہ تھی۔ اتفاق سے اس وقت میرا حال کچھ ایسا تھا کہ نہ تو کوئی اور بحر سوجھتی تھی اور نہ ہی ردیف اور قافیہ کا کوئی اور میدان خیال میں آتا تھا۔ ؎

"میری نظروں میں کوئی محوِ خرامِ ناز تھا"
آنکھ کا ایک ایک پردہ شوقِ پرواز تھا
(بیدم)

پس طبیعت پر رقّت کا غلبہ تھا۔ اور نعت کا مضمون دل کی گہرائیوں سے اُٹھ اُٹھ کر الفاظ کا جامہ پہن رہا تھا۔ مجھے یہ ہوش ہی نہ تھا کہ اپنی مرضی سے کسی بحر یا ردیف کا انتخاب کروں، جس بحر اور جس طرز کے قافیوں میں داداپیشوا کی مدح لکھی تھی وہی نعت کے وقت بھی دل و دماغ پر مسلط رہے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ میری روح پر کسیؒ کا تصرف ہے۔ اور اُن کو یہی منظور ہے کہ مجھے جو کچھ کہنا ہے اسی بحر اور ردیف میں کہے جاؤں، چنانچہ شروع میں یہ تمام نعت مسلسل تھی۔ بعد میں پڑھنے سُننے کی سہولت کے پیشِ نظر میں نے اسے بارہ بندوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اسی شکل میں ہدیہ ناظرین ہے۔

(باقی آئندہ)